اِتَّبِعُوا اَحْسَنَ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَّبِّکُمْ

الحمد للہ

کہ

رسالہ

معقولاتِ حنفیہ

جسمیں

ہفت مسائل فقہ مذکور ہیں۔ جن کے ضمن میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
کے رسالہ الحیلۃ الناجزۃ پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے۔

مُصنّفہ

مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری

النور اکیڈمی مکتبہ ثنائیہ
جامع مسجد اہلِ حدیث بلاک نمبر ۱۹ سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ نحمدہ و نصلی و علی النبی و اٰلہٖ

دیباچہ

وجہِ تالیف

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت ہمارا وہی اعتقاد ہے جو حافظ ذہبی (محدّث) نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے۔

کان (ابوحنیفہ) اماما، عالما۔ متعبدا، کبیر الشان لا یقبل جوائز السُلطان بل یتجر و یکتسب (تذکرہ جلد اوّل ص۱۵۱)

یعنی امام ابوحنیفہ امام عالم عابد بڑی شان والے تھے حکومت کے وظائف قبول نہ کرتے بلکہ (اپنے گذارہ کیلئے) تجارت اور کسب کرتے تھے۔

چونکہ عصمت فی الاحکام خاصہ نبوّت ہے اس لئے کسی امام کے کسی مسئلے کی جانچ کرنا یا اس کی دلیل نہ ملنے سے اُسے واجب العمل نہ جاننا خصوصاً ان کے اتباع کے اقوال کو جو انہوں نے اپنے فہم سے داخل مذہب کر رکھے ہیں بمقابلہ مدلّل بات کے ترک کر دینا سوءِ ظنی کا محل نہیں سلف سے خلف تک ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے جس کی نظائر ہم نے اپنے رسالہ "تقلیدِ شخصی اور سلفی" میں دی ہوئی ہیں۔

حق یہ ہے کہ انہی بزرگوں نے ہم کو تنقید مسائل کی ہدایت تعلیماً و تعملاً سکھائی ہے جزاھم اللہ خیر الجزاء ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

ضرورت زمانہ سے ریاست حیدر آباد دکن میں سرکاری حکم سے بعض مسائل

خلع و طلاق پر غور ہو رہا ہے کہ فقہ حنفیہ کے یہ مسائل چھوڑ کر امام مالک کے فتوے پر عمل کیا جائے۔ ہندوستان کی اسمبلی (قانون ساز مجلس) میں بھی یہ مسائل بصورت تجویز پیش ہیں۔ انہی حالات کے ماتحت مولانا اشرف علی صاحب ساکن تھانہ بھون ضلع مظفر گڑھ نے بھی ایک کتاب لکھی جس کا نام اس کی حقیقت بتا رہا ہے یعنی "الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ" موصوف نے بھی اس رسالے پر زور دیا ہے کہ ان مسائل میں امام مالک کے قول پر عمل ہونا چاہیئے۔ ممدوح کی علمی شہرت اور قبولیت مد نظر رکھ کر اس کتاب کو دیکھنے والا باور نہیں کر سکتا کہ یہ کتاب مولانا موصوف کی ہو گی۔ وجہ یہ کہ ساری کتاب پڑھ جائیے کہیں بھی کسی آیت یا حدیث سے استدلال نہیں ملے گا بلکہ قرآن و حدیث کا نام بھی نہیں۔ حالانکہ آپ جس جماعت کے اعلیٰ رکن ہیں۔ ان کا شغل تعلیم قرآن و حدیث ہے۔ اللہ اعلم

اس وجہ سے میرے دل میں ڈالا گیا کہ مسائل متمدنہ کے علاوہ اور بھی چند مسائل فقہ حنفیہ کے ایسے ہیں جو معقولیت کے درجہ سے متنزل ہیں چند امثلہ ملا کر رسالہ "**معقولاتِ حنفیہ**" لکھا جائے چنانچہ رسالہ ہذا اسی مضمون کا حامل ہے۔

اصل غرض اس سے یہ ہے کہ مسلمان بھائیوں پر واضح کیا جائے کہ اصل اتباع قرآن و حدیث کی ہے کسی عالم یا امام، محدث یا مجتہد کے اقوال کو یہ درجہ نصیب نہیں۔ اللہ اعلم۔

خادمِ دین اللہ، ابوالوفاء ثناء اللہ

امرت سر (پنجاب)

۱۰ ذیقعد ۱۳۵۴ھ، ۴ فروری ۱۹۳۶ء

طبع:

مسئلہ اوّل

مفقودُ الخبر

جو شخص نکاح کر کے گم ہو جائے اس طرح کہ اس کی خبر بالکل نہ ملے حنفی مذہب میں اس کا حکم ہے کہ اس کی ایک سو بیس سال کی عُمر تک اس کی عورت انتظار کرے مثلاً کسی جوان لڑکی کا (آج کل کے قانون کے ماتحت) چودہ سال کی عُمر میں اٹھارہ سالہ لڑکے کے ساتھ نکاح ہوا لڑکا چند روز کے بعد کسی وجہ سے وطن چھوڑ گیا۔ ایسا گم ہوا کہ کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا۔ ایسی لڑکی کو حنفی مذہب حکم دیتا ہے کہ روز فقدان سے (جبکہ ناکح کی عمر اٹھارہ سال تھی) ایک سو دو سال تک خاوند کا انتظار کرے اس وقت جبکہ خاوند کی عُمر ایک سو بیس برس اور منکوحہ کی عمر ایک سو سولہ سال تک پہنچے یہ مسکینہ قاضی وقت کی خدمت میں درخواست کرے کہ میرا رفیقِ حیات (دولہا) عرصہ ایک سو دو سال سے گم ہے میری درخواست ہے کہ میرا نکاح اس سے فسخ کیا جائے تاکہ مَیں (ایک سو سولہ سالہ بوڑھی) کسی دوسری جگہ بقیہ زندگی پوری کروں اس پر بعد ثبوت دعویٰ مدعیہ اس کا نکاح ناکح مذکور سے فسخ کیا جائے اور وہ تاریخ فیصلہ سے چار ماہ دس روز عدت وفات گذار کر جدید ناکح کی تلاش کرے کتاب ہدایہ کی ہدایت اس بارے میں ہے۔

واذا تم لہٗ مائۃ وعشرون من یوم ولد حکمنا بموتہٖ ھٰذا روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ (کتاب المفقود)

یعنی جب مفقود کی عمر ایک سو بیس سالوں تک پہنچ جائے تو ہم (قاضی) اس کی موت کا حکم لگائیں گے۔

واذا حکم بموتہٖ اعتدت امرئتہ عدۃ الوفات من ذٰلک الوقت (کتاب المفقود)

جب اس کی موت کا حکم لگ جائے تو اس وقت سے اس کی عورت
عدت وفات گذار دے

ناظرین! اس حکم پر غور فرمائیں کہ کسی عورت کا خاوند ایسے وقت گم ہوگیا جب اس کی عمر مثلاً چودہ سال عنفوان شباب کی تھی اور اس کے خاوند کی عمر اٹھارہ سال تھی کمبخت روزگار کی تلاش میں کہیں نکلا ایسا نکلا کہ صدائے برنخواست آج پورے ایک سو دو سال گذرنے پر وہ اس حد پر پہنچ گیا کہ "قاضی وقت اس کی موت کا حکم لگائیں اُس وقت اس منکوحہ کی عمر ایک سو سالہ سالوں کی ہوگی۔ ایک سو سالہ سالوں کی عمر کو پہنچ کر اس کو حکم ہوگا کہ عدت وفات چار ماہ دس روز گذار کر نکاح ثانی کرلے۔

مسئلہ کی یہ صورت متصورہ ہی اس کی معقولیت بتانے کو کافی ہے۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے ایسی مظلومات کی نجات کے لئے جو کتاب "الحیلۃ الناجزہ" لکھی ہے اُس میں اس ریگ کی دیوار کی پشتی بانی کرتے ہوئے یوں گویا ہوئے کہ:

حنفیہ کا مذہب ازروئے دلیل قوی اور غایت احتیاط پر مبنی ہے"۔
(الحیلۃ الناجزہ صفحہ ۵)

چونکہ قانون قدرت سے ٹکر لینا مشکل کیا ممکن ہی نہیں اپنا رستہ خود بنا لیتا ہے اس لئے مولانا موصوف اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ میں سے بعض متاخرین نے وقت کی نزاکت اور فتنوں پر نظر فرماتے ہوئے اس مسئلہ میں حضرت امام مالک کے مذہب پر فتویٰ دے دیا۔ ایک عرصہ سے ارباب فتویٰ اہل ہند و بیرون ہند تقریباً سب نے اس قول پر فتویٰ دینا اختیار کرلیا ہے اور یہ مسئلہ اس وقت ایک حیثیت سے فقہ حنفیہ ہی میں داخل ہوگیا۔ (الحیلہ صفحہ ۵)

ناظرین! مولانا نے جس طریق سے فقہ حنفیہ کی وسعت دی ہے موجب ستائش

ہے لیکن خطرہ ہے کہ اس اصول سے ہندوستان کے جمہور حنفیہ مسئلہ گیارہویں مسئلہ مولود اور مسئلہ عرس وغیرہ کو بھی داخل فقہ حنفیہ نہ کرلیں کیونکہ (بقول اُن کے) ہندوستان کے اکابر حنفیہ کا ان مسائل پر اتفاق ہے۔

مولانا اشرف علی صاحب نے حکمتِ عملی سے فتویٰ مالکی کو فقہ حنفیہ میں داخل کر کے منظلومہ پر قدرے التفات فرمایا مگر ایک اور طریق سے پھر اس کو قیدِ تنہائی میں بلا وجہ بند رکھنے کی عجیب تجویز فرمائی کہ عورت قاضی کے پاس فسخ نکاح کی درخواست کرے قاضی مفقود خاوند کی تلاش کرائے۔

جب قاضی تلاش میں ملنے سے مایوس ہو جائے تو عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم کرے ان چار سال کے ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدّت وفات گزار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔ (صنہ)

مثلاً کسی عورت کا خاوند دس سالوں سے گم ہے آج وہ قاضی صاحب کی خدمت میں مرافعہ کرتی ہے قاضی صاحب اُس کے نکاح کا اور اس کے گم ہونے کا اور نان و نفقہ نہ چھوڑ جانے کا ثبوت لے کر اشتہار دیگا اس سارے کام کو کم سے کم چھ ماہ لگیں گے اس کے بعد مایوس ہو کر پھر عورت منظلومہ کو چار سال بیٹھنے کا حکم ہوگا۔ (اللہ رے بے بسی)

مزید لطف مولانا صاحب نے جو کچھ اس منظلومہ کی داد رسی کی ہے۔ غنیمت ہے لیکن ذرا اور آگے چل کر ہماری مُلکی (ہندوستانی) منظلومات سے یہ مروّت بھی چھین لی چنانچہ فرمایا:۔

"یہ حکم مذکور (فتویٰ چار سال والا) تو دارالاسلام میں تھا اور دارالحرب (ہندوستان ہیں ؟) زوجہ مفقود کا جمہور مالکیہ کے نزدیک تو وہی حکم ہے جو حنفیہ کے نزدیک ہے یعنی جب تک اس کے ہم عمر لوگ زندہ ہیں اس وقت تک اس کی بیوی کے لئے اس کے نکاح سے جدا ہونے

اور دوسرا نکاح کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ (ص۵۳)

اس سے بھی عجیب تر ریاست حیدر آباد دکن میں مظلومہ کے حال پر سرکاری طور پر توجہ ہوئی تو بحکم سرکار عالی علماء کرام نے ایک مسودہ قانون شائع کیا جو بذریعہ رسالہ "ترجمان القرآن" حیدر آباد ہمارے پاس پہنچا اس میں اس خصوص کا ذکر یوں ملتا ہے۔

شوہر کی مفقود الخبری دفعہ ۳ جب شوہر اپنے مکان سے چلا جائے اور لاپتہ ہو اور اُس نے اپنی زوجہ کے نان و نفقہ کا انتظام نہ کیا ہو اور زوجہ کی طرف سے دعویٰ تفریق پیش ہو تو محکمہ قضا ثبوتِ فقدان و عدم کفالت[1] نان و نفقہ و عدم نشوز کے متعلق زوجہ مفقود سے حلف لینے کے بعد حسب ذیل مضمون کے تین اشتہار تین ماہ تک شائع کرے گا۔

چونکہ فلاں شخص اتنے عرصہ سے لاپتہ ہے اور اس نے اپنی زوجہ مسمات فلاں کی نہ خبر گیری کی اور نہ اس کے نان و نفقہ کا کچھ انتظام کیا لہٰذا وہ جلد سے جلد اپنی قیام گاہ اور صحیح پتہ سے محکمہ ہذا کو اطلاع دے اور اپنی زوجہ مسماۃ فلاں کی شکایت رفع کر دینے کا مناسب انتظام کر دے ورنہ حسب احکام مسلک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اُس کا نکاح فسخ کر دیا جائیگا۔

(ترجمان القرآن حیدر آباد دکن ص۴۳ بابت جمادی الاخریٰ ۵۴ھ)

یہ توضیح جو امام مالک کے مذہب کے مسودہ میں کی گئی ہے خود تشریح طلب ہے۔ چنانچہ اس قانون کے ماتحت کوئی عورت دو سال انتظار کر کے دعویٰ کرے اور کفالت (نان و نفقہ) نہ ہو تو قاضی صاحب فوراً فسخ نکاح کر دے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ عورت مذکورہ چند روز کے بعد آزاد ہو جائے گی اور اگر کفالت ہے تو گذشتہ مدت کے علاوہ چار سال آئندہ گذار کر آزاد ہوگی۔ انا للہ

---

[1] کفالت کی بجائے "کفایت" کا لفظ ہوتا تو مفہوم زیادہ وسیع ہو جاتا۔ (مؤلف)

ہمارے خیال میں جتنے اصحاب نے اس مضمون پر قلم اٹھایا ہے انہوں نے امام کے قول کا مبنیٰ شائد ملاحظہ نہیں فرمایا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی بنا امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق کے فیصلہ پر ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

مالك عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب ان عمر بن الخطاب قال ايما امرءة فقدت زوجها فلم يدر اين هو فانها تنتظر اربع سنين ثم تعتد اربعة اشهر وعشرا ثم تحل (موطا مالك)

یعنی حضرت عمرؓ نے یہ حکم جاری کیا تھا کہ جس عورت کا خاوند گم ہو جائے یعنی کچھ معلوم نہ ہو کہ کہاں ہے وہ چار سال انتظار کر کے چار ماہ دس روز عدت وفات پوری کر کے نکاح ثانی کرلے۔

اس فاروقی سرکلر کی بنا در اصل قرآنی ارشاد پر ہے جس کے الفاظ طیبہ یہ ہیں عَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (پ۴ ع ۱۴) لَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا (پ۲ ع ۱۳)

اِن دو فقروں (آیتوں) کے اندر ساری دنیا کے انتظامی دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کی کمیشن سے رپورٹ (حاصل کر کے جس کا ذکر آگے آتا ہے) اس آیت کے ماتحت چار ماہ سے زیادہ مدت کو موجب ضرر قرار دے کر مذکورہ سرکلر جاری فرمایا۔

ناظرین کرام! ملاحظہ ہو اس فاروقی سرکلر (حکم) میں کفایت کفالت، عدم کفایت میں کوئی فرق نہیں نہ ابتدائے فقدان زوج اور ارجاع مقدمہ میں فرق ہے بلکہ صرف اتنا مذکور ہے کہ عورت کو حکم دیا ہے کہ تاریخ گمشتگی خاوند سے چار سال تک خاوند کی واپسی کا انتظار کرے اس کے بعد اس کو مردہ تصوّر کر کے عدت وفات گذار کر نکاح کرلے قاضی سے فیصلہ کرانے کی ضرورت ہی نہیں۔ پنچائت میں خاوند کی گمشتگی کا حال سُنا کر مظلومہ فسخ نکاح کا اعلان کر دے اور بہ ثبت تاریخ

حاضرین مجلس کے دستخط کردے اور بس۔

دقیق نظر سے دیکھا جائے تو کفالت کفائت عدم کفالت کفائت میں فرق کرنا خلاف معقول معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ عورت کو مرد کی اور مرد کو عورت کی حاجت ضرورت طبعیہ کے لئے ہوتی ہے۔ روٹی کپڑے کے لئے نہیں ہاں عدم کفائت تکلیف تجرد میں موجب ازدیاد تکلیف ہو جاتا ہے یہ نہیں کہ کفائت سے اصل تکلیف رفع ہو جاتی ہے اسی لئے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں کفائت یا عدم کفائت میں فرق نہیں بلکہ ان دو مراتب کا ذکر بھی نہیں ملتا۔

ہمارے بیان کے ثبوت میں عہد فاروق ہی کا فاقدۃ الزوج کا ایک واقعہ پیش ہو سکتا ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے نقل فرمایا ہے۔

ایک روز حضرت عُمر فارُوق رضی اللہ عنہ رات کو دورہ کرتے ہوئے ایک مکان کے پاس سے گزرے اس جگہ پہنچ کر شعر خوانی کی آواز سُن کر آپ ٹھہر گئے۔ اشعار یہ تھے ؎

الا طال[1] ھذا اللیل وازور جانبہ ولیس الی جنبی خلیل الاعبہ

فواللہ لولا اللہ لا شئ بعدہ لزعزع من ھذا السریر جوانبہ

یہ اشعار سُن کر خلیفہ راشد نے عورتوں سے پُوچھا کہ عورت کتنی دیر صبر کر سکتی ہے جواب ملا انتہا چار مہینے تک پس امراء فوج کو حکم بھیج دیا کہ کسی مجاہد کو چار ماہ سے زیادہ گھر سے باہر نہ رکھا کرو۔ (ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفاء ج ۲ صـ ۱۷۷)

پس اصحاب کرم از راہِ مہربانی بحکم

وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا

سیدھی راہ اختیار کریں۔

---

[1] ترجمہ۔ رات لمبی اور کالی ہے میرے پہلو میں میرا حبیب (خاوند) نہیں۔ جس سے میں دل لگی کروں اللہ کی قسم اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میری چارپائی آج ہلتی (بدعملی کی طرف اشارہ ہے منہ)

(۱) ایک تو مسئلہ میں خلیفہ راشد کا نام لیں (دوم) اس فیصلہ کا مبنیٰ (ارشاد الٰہی) کا بھی اظہار کریں (سوم) فیصلہ فاروقی میں قیود لگا کر تنگ نہ کریں۔ (چہارم) جرأت کریں تو اس روایت کے مطابق چار ماہ انتظار کرنے کا فیصلہ کر دیں جس کی تائید کلام اللہ سے ملتی ہے جو ایلاء کے متعلق ہے۔

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ

(جو لوگ اپنی عورتوں سے ایلاء کر کے یعنی عدم تلاقی کی قسم کھا کر عورتوں کو مقید کر چھوڑتے ہیں اُن کے لئے چار ماہ تک انتظار کرنے کا حُکم ہے)

نوٹ معلوم ہوتا ہے کہ چار ماہ کا فاروقی حکم متاخر ہے کیونکہ یہ بات قرین قیاس ہے کہ تخفیف بعد تثقیل ہوتی ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ عورتوں کے بیان پر چار ماہ کا حُکم دیا جائے بعد اس کے چار سال کئے جائیں البتہ یہ قرین قیاس ہے کہ چار سال کے بعد بغرض تخفیف چار ماہ کئے جائیں پس خلیفہ راشد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا حکم اور آیت ایلاء جس امر کی راہنمائی کرتے ہیں وہ مصلحین کے قابل توجہ ہے بہ نسبت پچھلوں کے پہلوں کے فیصلوں کی قدر کریں کوئی نہ مانے تو سے

کئے جاؤ کوشش میرے دوستو!
تَقَبَّلَ اللّٰهُ مَسَاعِيَكُمْ

(۲)
دوسرا مسئلہ
مُرتدہ

جو عورت دینِ اسلام چھوڑ کر مرتدہ (عیسائی یا آریہ وغیرہ) ہو جائے فقہاء کرام اس کا نکاح فسخ ہونے کا حکم دیتے ہیں مگر ایسے طریق سے کہ نہ صرف آج کل بلکہ پہلے بھی دُنیا کے کسی حصّہ میں اُس پر عمل نہ ہُوا ہو گا نہ ہو سکتا ہے۔ فقہ حنفیہ کی مستند کتاب درمختار میں لکھّا ہے۔

لو ارتدت تجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح زجراً لھا بمھر یسیر کدینار وعلیہ الفتوٰی

(باب نکاح الکافر)

یعنی جو منکوحہ عورت مرتدہ ہو جائے (پچھتر دُرّے سزا دینے کے بعد) اس کو اسلام میں آنے اور پہلے خاوند سے نکاح کرنے پر مجبُور کیا جائے چاہے مہر تھوڑا سا ایک دینار (اڑھائی روپیہ) ہو تاکہ اسے (اور دوسری عورتوں کو) تنبیہہ ہو (گو اس میں اختلاف ہے مگر) فتویٰ اسی پر ہے۔

اس متن پر صاحب ردالمختار نے جو حاشیہ لکھّا ہے وہ متن سے بھی عجیب تر ہے فرماتے ہیں۔

تجبر ای بالحبس الیٰ ان تسلم او تموت (علی تجدید النکاح) فلکل قاض ان یجدد بمھر یسیر ولو بدینار رضیت ام لا وتمنع من التزوج بغیرہ بعد اسلامھا (حوالہ مذکور)

یعنی مرتدہ قید کی جائے یہاں تک کہ مسلمہ ہو جاوے یا مر جائے۔ قاضی کو چاہیئے کہ اس کو پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کرنے پر مجبُور کرے چاہے راضی ہو یا نہ ہو اور بعد اسلام قبول کرنے کے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے

سے روک دی جائے۔

ناظرین! آپ کے دل میں خیال گزرے گا کہ آج ہم (ہندوستانی) کسی عورت کو کس طرح مجبور کر سکتے ہیں کہ تو اپنے پہلے خاوند سے نکاح کر جس سے ناراض ہو کر دین و ایمان برباد کر چکی ہے اور کس طرح اس کو اور کسی شخص سے نکاح کرنے سے روک سکتے ہیں۔ اور اگر روک بھی لیں تو یہ روکنا عدل و انصاف اور رحم سے متضاد ہونے کے علاوہ کسی برے نتیجہ پر تو نہ پہنچائے گا؟

مقام تعجب تو یہ ہے کہ فقہاء حنفیہ جو ایسی باتیں لکھ گئے وہ تو ایسے وقت اور ایسے ملک میں تھے جہاں ان کی حکومت اور انہی کا قانون نافذ تھا۔ لیکن آج جس ملک میں ہم ہیں اس کا حال کسی سے مخفی نہیں۔

بعض حضرات سلف کی پابندی میں آج بھی ویسی ہی باتیں کرتے اور لکھتے ہیں چنانچہ مفتی مدرسہ دیوبند (مولوی محمد شفیع صاحب) نے اس موجودہ مشکل کو محسوس کیا تو اس کا علاج یہ بتایا کہ ہندوستان میں مشائخ بلخ و سمرقند کے قول پر فتویٰ دیا جائے کہ ارتداد سے نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ مفتی صاحب کے الفاظ جو بنقل مولانا اشرف علی صاحب ہم تک پہنچے ہیں درج ذیل ہیں۔

"ہندوستان میں بحالت موجودہ کہ حکومت مسلمانوں کی نہیں اس کے سوا مذہب حنفی پر عمل کرنا غیر ممکن ہے کہ مشائخ بلخ و سمرقند کے قول کے موافق یوں فتویٰ دیا جائے کہ عورت کے ارتداد سے نکاح فسخ ہی نہیں ہوتا بلکہ بدستور رہتا ہے۔" (الحیلۃ الناجزہ ص۱۰۰)

چونکہ نکاح کا ثابت رہنا مستلزم ہے اس بات کو کہ مرتدہ مذکور کے ساتھ ملاپ وغیرہ جائز ہو حالانکہ مفتی صاحب خود اس کو قرآن شریف کے مخالف جانتے ہیں فافہم (مفتی)

مفتی صاحب موصوف نے اس کا جواب دیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

مشائخ بلخ کے قول کے موافق جبکہ بقائے نکاح کا فتویٰ دیا جائے تو ساتھ ہی اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ تجدید[1] اسلام کے قبل شوہر کے لئے اس مرتدہ سے استمتاع یعنی جماع اور اس کے دواعی مثل تقبیل (بوسہ) ولمس بالشہوۃ وغیرہ کو جائز نہ کہا جائے کیونکہ آیت کریمہ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ سے کافر عورتوں کے ساتھ نکاح اور استمتاع حرام ہونا ظاہر ہے اور اس پر اجماع بھی ہے۔ (ص۱۰)

سوال پیدا ہوتا تھا کہ آپ کہتے ہیں کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں حالانکہ قرآن شریف سے کتابیہ (یہودن۔ عیسائن) سے نکاح جائز آیا ہے۔ اس کا مفتی صاحب نے یوں جواب دیا ہے۔

"اور کتابیہ کا استثنیٰ جو آئت وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ میں وارد ہوا ہے اس سے کتابیہ اصلیہ مراد ہے اور مرتدہ اس میں داخل نہیں جس نے اہلِ کتاب کا مذہب اختیار کر لیا ہے۔" (ص۱۰)

ناظرین کرام غور فرمائیں کس قدر اجتماع ضدین بلکہ اجتماع نقیضین ہے نکاح بحال مگر لوازم نکاح معدوم حالانکہ قاعدہ کلیہ الشئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ مسلم الکل ہے نکاح اوّل بحال مگر جدید نکاح کی ضرورت باوجود اس استحالہ کے مذہب امام ابوحنیفہ ہنوز متروک ہے جس کے متعلق مفتی صاحب موصوف کے الفاظ قابلِ دید و شنید ہیں۔ جو یہ ہیں:۔

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب اس بارے میں (بقول مفتی صاحب) یہ ہے کہ مرتدہ کا نکاح فسخ ہو جائے گا مگر وہ مرتدہ ہو کر خاوند کی لونڈی بنی رہے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ باوجود مرتدہ ہونے کے خاوند اس سے فوائد مردانہ حاصل کرتا رہے گا۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں۔

---

[1] مرتدہ سے نکاح بحال اور تجدید نکاح بھی سے اینچہ بوالعجبی ست۔ ۱۲ منہ

نوادر کی روائت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے یہ ہے کہ عورت دار الاسلام میں بھی کنیز[1] بنا کر رکھی جائے گی اور اس کے خاوند کا قبضہ اس پر بدستور سابق باقی رہیگا

{ ہندوستان دار الاسلام نہیں اسی میں ہم رہتے ہیں اس لئے مفتی صاحب نے اسکی تفصیل کرنے کی تکلیف فرمائی }

لیکن اس روایت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ مرتدہ دار الاسلام میں ہو تو اس کا خاوند اُس کو امام المسلمین (بادشاہ) سے قیمت[1] دے کر خریدیگا یا اگر امام المسلمین اس کو مصرف سمجھیں گے تو اس کو مفت بھی دے دیں گے بہر حال بغیر اجازت امام (بادشاہ یا اس کے نائب حاکم کے) اس کو اپنے قبضے میں لانا جائز نہ ہوگا۔ اور اگر دار الحرب ہے تو اذن امام کی حاجت نہیں بلکہ جب خاوند اس پر قبضہ پالے تو اس کی ملک ہو جائے گی اجازت امام وغیرہ کی کچھ حاجت نہیں۔ (ص ۹۹-۹۸)

اس تفصیل سے بھی یہی نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ مرتدہ کا نکاح ٹوٹ چکا ہے باوجود اس تفصیل کے ہم ہندوستانیوں کی تشنہ کامی کا کوئی علاج نہیں اس لئے کہ ہمارا ملک ہندوستان نہ دار الاسلام ہے نہ دار الحرب۔ کیونکہ نہ اس میں اسلامی حکومت ہے نہ اسلامی جہاد جاری لہٰذا یہ ملک غایت سے غایت دار السلم ہے اس لئے مفتی صاحب دیوبند نے اس میں اس تفصیل کو جاری کرنے کی رائے نہیں دی بلکہ مشائخ بلخ کا قول پیش کر دیا جس کو خود ہی قرآن شریف اور امام ابو حنیفہؒ کے قول کے خلاف جان کر کئی طرح سے مقید کر دیا۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۱ کتاب ہذا۔

حل مشکلات

اس میں شک نہیں کہ مسئلہ ارتداد نے علماء اسلام کو پریشان کر رکھا ہے غالباً اسی لئے جمعیۃ العلماء کی مجلس عاملہ نے بتاریخ یکم و دوم فروری ۳۶ء اس کو زیر بحث نہیں لیا۔ مگر جس طریق سے اسکو حل کیا گیا ہے اسکی نہ قرآن شریف سے موافقت ہوتی ہے نہ مذہب حنفی (قول امام ابو حنیفہ صاحب) سے

[1] آزاد عورت محض مرتدہ ہونے سے کنیز کیسے ہو جائے گی۔ ۱۲ منہ

جیساکہ گذشتہ صفحات میں مذکور ہؤا چونکہ اس مشکل کو حل کرنے کی ضرورت ہے اس لئے ہم اپنا ناقص خیال ظاہر کرتے ہیں ان اصبت فمن اللہ و ان اخطات فمن نفسی

مرتدہ دو قسم ہیں (۱) کتابیہ (یہود و نصاریٰ) (۲) غیر کتابیہ (دھریہ[1] بھنگی وغیرہ) آریہ اور ہندو کس قسم میں ہیں ممکن ہے قسم اوّل میں داخل ہوں کیونکہ ان کے مذہب کی بنیاد بھی ایک کتاب (وید) پر ہے جس کی نسبت وہ الہامی کتاب ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ رہا یہ امر کہ ویدوں کی بعض تعلیم الہامی نوشتوں کے خلاف ہے تو اس سے ہمارے دعویٰ کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ اگر ویدوں کی تعلیم خلاف ہے تو تورات انجیل کی بھی (علیٰ تشریح النصاریٰ) خلاف قرآن ہے جیسی انہوں نے بگاڑی انہوں نے بھی بگاڑی۔ تاہم ہم اس پر اصرار نہیں کرتے بلکہ ایک اور طرح سے بماتحت قرآن اور بپابندی اصول حنفیہ اپنا خیال پیش کرتے ہیں۔

ہم اس شق کو اختیار کرتے ہیں کہ مرتدہ کا نکاح فسخ نہیں ہوتا ہم اس دعویٰ میں کسی قسم کی تخصیص نہیں کرتے مرتدہ عیسائی ہو یا آریہ جینی ہو یا دہریہ کوئی ہو جس کا نکاح حالتِ اسلام میں ہوا ہو حالت ارتداد میں اس کا نکاح فسخ نہ ہوگا یہ دعویٰ مندرجہ ذیل حنفی اصول پر مبنی ہوگا۔

الاصل عند علماءنا الثلاثة رحمہم اللہ ان العارض فی الاحکام انتہاء لہ حکم یخالف حکم الموجود ابتداء کما اذا باع الرجل عبدا فابق قبل القبض لا یبطل البیع عندنا (تاسیس النظر قاضی دبوسی صـ۴۳)

یعنی ہمارے تینوں ائمہ (امام ابو حنیفہ اور صاحبین) کے نزدیک یہ اصول

---

[1] کئی عورتوں کو دہریہ بنا کر بھی نکاح فسخ کرایا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

ہے کہ انتہا میں جو عارض ہو اس کا حکم موجودہ عارض کے خلاف ہوتا ہے
مثلاً مفرور غلام کی بیع جائز نہیں اگر غلام کی موجودگی میں بیع کرے اور
بعد بیع قبل قبضہ وہ بھاگ جائے تو بیع باطل نہ ہو گی۔
حالانکہ فرار وقت بیع کے مانع بیع ہے۔ لیکن بعد البیع وہ مانع نہ رہا۔ اس کی
تائید میں ایک حدیث پیش ہو سکتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔
قال رسول اللہ علیہ وسلم اذا ادرك احدكم سجدة من
صلوٰة العصر قبل ان تغرب الشمس فليتم صلوٰة واذا ادرك
سجدة من صلوٰة الصبح فليتم صلوته (بخاری)
یعنی آنحضرت نے فرمایا جب کوئی شخص سورج ڈوبنے سے پہلے نماز عصر کا یا چڑھنے سے پہلے صبح کی نماز
کا ایک سجدہ پالے وہ نماز پوری کرے۔ حالانکہ ابتداء نماز ایسے وقت میں جائز نہیں۔
اس اصُول حنفیہ اور حدیث نبوی کی روشنی میں اس عقدہ لاینحل کو یوں حل
کیا جائے کہ جس عورت سے حالت اسلام میں نکاح ہوا ہے بعد نکاح اس کے
کفر سے نکاح فسخ نہ ہو گا۔ جیسے بعد البیع مفرور غلام کی بیع باطل نہیں ہوتی اور طلوع
شمس سے نماز فجر باطل نہیں ہوتی۔
رہا آئت لا تمسکوا بعصم الکوافر کی نہی جو مفتی صاحب دیوبند پر بھی مشکل
پڑی ہے سو اس کی تفسیر میں نہی للانشاء مراد لی جائے نہ للاستمرار یعنی معنی آیت
کے یہ کئے جائیں کہ" کافر عورتوں سے نکاح نہ کرو"۔ اس کو نہی للانشاء کہتے ہیں۔
مختصر یہ ہے کہ جس عورت کی حالت بوقت نکاح قابل نکاح ہے بعد نکاح
اگر اس میں تغیر و تبدل ہو جائے تو مذکورہ اصُول حنفیہ کے ماتحت نکاح فسخ نہیں ہوگا
اللہ اعلم۔ ھٰذا اعلیٰ اصول الحنفیة (ذ[1])

[1] ممکن ہے ہمارے اس حل پر اس حدیث سے اعتراض ہو جس میں ارشاد ہے من بدل دینہ
فاقتلوہ (جو دین اسلام تبدیل کرے اسے قتل کر دو) جب مرتدہ واجب القتل ہے تو اس کے
ساتھ نکاح کیسے رہ سکتا ہے۔ (جواب) یہ ہے کہ مرتدہ اُسی طرح واجب القتل ہے جس طرح

مولانا اشرف علی صاحب اور دیگر علماء حنفیہ کرام جو اِدھر اُدھر تلاش حل میں تکلیف اُٹھا رہے ہیں اور اس تلاش میں جو پاتے ہیں وہ ہندوستان میں لَا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ کا مصداق ہوتا ہے۔ اگر وہ ہمارے پیش کردہ حل پر غور فرمائیں گے تو کم سے کم حنفیت کی حیثیت سے اس کی تائید فرمائیں گے۔

مسئلہ سوم (۳)

حُرمت مُصاہرت

قرآن مجید کا ارشاد ہے جس عورت سے مرد نکاح کرے اس کی والدہ ناکح پر حرام ہے جس مرد سے عورت نکاح کرے اُس کا باپ عورت پر حرام ہے اس کو "حرمت مصاہرت" کہتے ہیں اس کے متعلق بہت ہی مختصر الفاظ میں ارشاد ہے۔

وَاُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ۔ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ (پ ۴ ع ۱۵)

یعنی تمہاری بیویوں کی مائیں (ساسیں) اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں۔

اس آیت میں حُرمت مصاہرت صرف اتنی ہے کہ ناکح کا ساس سے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) زانی واجب الرجم ہے تو کیا زانیہ سے ناکح مرد کا نکاح نہیں رہتا حالانکہ حدیث میں آیا ہے ایک شخص نے عرض کیا حضور میری عورت لَا تَرُدُّ یَدَ لَامِسٍ کسی کا ہاتھ نہیں روکتی اشارہ اس کے بدکار ہونیکا تھا حضور نے فرمایا اسے چھوڑ دے اس نے عرض کی میری اس سے چھوٹی اولاد ہے فرمایا تو اپنی مصلحت دیکھ لے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زانیہ کا نکاح محض زنا سے فسخ نہیں ہوتا حالانکہ وہ واجب الرجم ہے حقیقت اصلیہ یہ ہے کہ سزا ارتداد کی ہو یا زنا کی اس کو جاری کرنا حکام کا کام ہے خاوند کا نہیں۔ آج اگر مرتدہ کو یا زانیہ کو سزا نہیں ملتی تو حکومت غیر مسلمہ اس کی ذمہ دار ہے خاوند ناکح ذمہ دار نہیں۔ ۱۲ منہ

بہو کا خسر سے نکاح حرام ہے یعنی جو عورت زید کی منکوحہ بنکاح صحیح ہو جائے زید کا نکاح اس منکوحہ کی ماں سے حرام ہے ایسا ہی کسی عورت کا نکاح زید سے ہو جائے اس کے باپ (خسر) سے اس کا نکاح جائز نہیں۔

نوٹ قرآن مجید کے ان الفاظ میں نسآءکم اور حلائل کے الفاظ سے یقیناً منکوحہ عورتیں مراد ہیں مگر فقہاء کرام نے ان کو وسیع کر کے زنا کو بھی شامل کر دیا ہے۔ جس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

مصاہرت کی تفصیل جو فقہاء عظام نے کی ہے وہ کتب فقہ حنفیہ (در مختار وغیرہ) میں مصرح ملتی ہے جس کو ہم بغرض آسانی مولانا اشرف علی صاحب کے اردو الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

حرمت مصاہرت اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے یا شہوت کے ساتھ صرف ہاتھ لگا دے یا شہوت سے بوسہ لے یا شرمگاہ کے اندرونی حصہ کو بشہوت دیکھ لے تو ان سب صورتوں میں حرمت مصاہرت قائم ہو جاتی ہے یعنی اس مرد پر اس عورت کی بیٹی اور ماں وغیرہ سب اصول و فروع نسبی و رضاعی حرام ہو جاتے ہیں اور اس عورت پر اس مرد کا بیٹا اور باپ سب اصول و فروع نسبی و رضاعی حرام ہو جاتے ہیں اسی طرح عورت کسی مرد کو شہوت سے ہاتھ لگائے یا شہوت سے اس کا بوسہ لے یا عضو مخصوص پر نظر شہوت ڈالے تب بھی مصاہرت کا علاقہ قائم ہو کر مرد پر عورت کے تمام اصول و فروع نسبی و رضاعی اور عورت پر مرد کے تمام اصول و فروع نسبی و رضاعی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتے ہیں اور حرمت مصاہرت کے لئے ان افعال کا قصداً کرنا شرط نہیں بلکہ اگر کسی سے بے خبری میں بھی کوئی فعل سرزد ہو جائے مثلاً بیوی سمجھ کر خوشدامن کو شہوت کی حالت میں ہاتھ لگا دیا تب بھی بیوی حرام ہو جاتی ہے اس لئے خاوند کو بیوی کے اصول و فروع مؤنثہ سے اور عورت کو مرد کے اصول و فروع مذکرہ سے سخت احتیاط لازم ہے کہ انکو بشہوت ہاتھ لگانے وغیرہ میں علاوہ معصیت

شدیدہ کے یہ بڑی خرابی ہے کہ میاں بیوی میں حرمت مصاہرت کا علاقہ قائم ہو جاتا ہے یعنی اگر خاوند سے اپنی بیوی کے اصُول یا فروع (پچھلی بیٹوں) میں سے کسی کے ساتھ کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے یا بیوی کے اصُول و فروع مؤنثہ میں سے کسی مرد کے ساتھ ایسے افعال میں سے کسی فعل کا ارتکاب کیا جو مصاہرت کی حرکات کا موجب ہے۔ مثلاً شہوت کے ساتھ خوشدامن کو ہاتھ لگا دیا یا بیوی اپنے شوہر کے اصول و فروع مذکرہ مثلاً خسر کے ساتھ کوئی فعل موجب مصاہرت کر بیٹھے یا خسر وغیرہ نے اس قسم کے فعل کا ارتکاب کیا ہو تو ان سب صُورتوں میں یہ بیوی اس خاوند پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے خواہ یہ افعال کسی نے دانستہ کئے ہوں یا بھول چوک میں ہو گئے ہوں بہرحال میں ایک ہی حکم ہے جیسا کہ ابھی گذر چکا۔ (الحیلہ الناجزہ ص۴۷ الف)

ناظرین یہ عبارت اپنے معنے بتانے میں بالکل صاف ہے اس کا مطلب آپ لوگ سمجھ گئے ہوں گے اس لئے میں صرف نتیجہ پر اطلاع دیتا ہوں بغور ملاحظہ کریں۔

نتیجہ مثلاً کسی عورت کو اپنے خاوند سے اچھّا خوبصورت جوان یا مالدار مرد نظر آئے مگر منکوحہ ہونے کی وجہ سے خاوند سے الگ نہیں ہو سکتی ایسی عورت کو اگر یہ تدبیر سوجھ جائے کہ اپنی والدہ کو طیار کرے کہ وہ داماد کا کسی طرح چاہے سوتے میں یا جاگتے کا بوسہ لے لے پس منکوحہ اس کی ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی۔

دوسری صُورت کسی منکوحہ کو خاوند سے جُدا ہونا منظُور ہے اس کی پچھلی لڑکی جوان ہے اس کو بنا سنوار کر خاوند کے پاس کوئی چیز دینے کو بھیج دے اور یہ سکھا دے کہ اگر ہاتھ ڈالے تو پیچھے نہ ہٹنا خاوند جوانی کی غلطی میں اس کا بوسہ لے لے۔ بس ماں کی مراد بر آئی۔

علیٰ ہذا القیاس اس کا اثر دُور دور تک پہنچ سکتا ہے غور فرمائیے کہ اس تفصیل کے ساتھ ازدواجی تعلقات کو کتنا نقصان پہنچتا ہے یا پہنچ سکتا ہے یہ کیوں ایسا

ہُوا؟ اس لئے ہُوا کہ قرآن شریف کے مختصر متن کو اتنا وسیع کیا گیا کہ نوبت دُور تک پہنچی۔ فانا ﷲِ۔

حضرات ان سب خرابیوں کی ذمہ داری توسیعِ فقہاء کرام ہے نہ کلام اللہ ذی الاکرام اللّٰھم فقہنا فی القرآن۔

مسئلہ چہارم (۴)

خیار بلوغ

کسی لڑکی یا لڑکے کا نکاح شیر خوری یا نا بالغی میں کر دیا جائے نکاح تو جائز ہوگا مگر بعد بلوغت لڑکے یا لڑکی کو اختیار ہوگا کہ یہ نکاح قبول کرے یا فسخ کرے اس کو خیار بلوغ کہتے ہیں علماء حنفیہ کہتے ہیں کہ باپ یا دادا کے سوا اور کوئی ولی نا بالغہ کا نکاح کر دے تو نا بالغہ کو بالغہ ہونے کے وقت خیار بلوغ حاصل ہے اگر باپ یا دادا نے کر دیا ہے تو لڑکی یا لڑکے کو خیار بلوغ نہیں ھدایہ کے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں۔

فان زوجھا الاب والجد یعنی الصغیر والصغیرۃ فلا خیار لھما بعد بلوغھما لانھما کاملا الراء وافر الشفقہ فیلزم العقد بمباشرتھما کما اذا باشراہ برضاھما بعد البلوغ وان زوجھا غیر الاب والجد فلکل واحد منھما الخیار اذا بلغ (ھدایہ کتاب النکاح)

یعنی باپ یا دادا اگر نا بالغ لڑکے یا نا بالغہ لڑکی کا نکاح کرا دیں تو نکاح جائز ہوگا مگر بعد بلوغت لڑکے لڑکی کو فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ یہ دونوں (باپ دادا) کامل سوچ سمجھ والے اور لڑکے لڑکی نا بالغوں کے حق میں بڑے شفیق

ہیں اس لئے عقد نکاح لازم ہوگا جیسے لڑکی لڑکے کی بلوغت کے وقت ان کی مرضی سے نکاح کرا دینے سے عقد نکاح لازم ہوتا ہے۔

التماس یہ بالکل صحیح ہے کہ باپ دادا بڑے شفیق ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی صحیح ہے کہ نانا بھی بڑا شفیق ہوتا ہے مگر سب مخلوق قدرت کے ماتحت ہے۔ مثلاً

۱۔ بعد نکاح ناکح اندھا یا کانا ہوگیا۔

۲۔ بعد نکاح چیچک میں ایسا مبتلا ہوا کہ منہ اس کا سارا داغدار ہونے کی وجہ سے مرغوب نہ رہا۔

۳۔ بعد نکاح لنگڑا ہوکر معیوب ہوگیا۔

۴۔ بعد بلوغت نامرد ثابت ہوا۔

۵۔ بعد نکاح کسی دوسرے ملک میں فرار ہوگیا۔

۶۔ بعد بلوغت لڑکا کسی کام کا اہل ثابت نہ ہوا۔

۷۔ بلوغت کو پہنچنے سے پہلے ہی پہلے اثر بد صحبت سے بد معاش ہوگیا۔

اسی قسم کے اور بھی کئی ایک موانع پیدا ہو جاتے ہیں یا ہونے کا احتمال ہے۔ جن میں نہ کسی شفیق باپ کا دخل ہو سکتا ہے نہ کسی دادا کا۔ غور فرمایئے کہ ایسی صورتوں میں عند البلوغ نکاح کو لازم رکھنے کیلئے باپ دادا کی شفقت کو پیش کرنا اپنے اندر کچھ معقولیت یا (بالفاظ نظار) تقریب نام رکھتا ہے ؟ جواب دینے والے پہلے یہ فرض کرلیں کہ ہمارے خاندان میں ایسا واقعہ ہوا ہے۔

آنچہ بخود نہ پسندی بدیگراں مپسند

تقلید شخصی اور سلفی

(مصنفہ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب)

جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ سلف صالحین اخذ مسائل میں صرف قرآن و حدیث کو اپنا نصب العین بناتے تھے اور کوئی کسی کا مقلد نہ تھا۔ قابل دید کتاب ہے۔

دہ در دہ

فقہ حنفیہ کا مسئلہ ہے کہ کنوئیں میں نجاست گر پڑے یا کوئی جانور گر کر مر جائے تو اس میں خاص مقدار پانی نکالا جائے لیکن اگر وہ دس دس ہاتھ لمبا چوڑا حوض ہو جس میں پانی اتنا ہو کہ دونوں ہاتھوں سے پانی اٹھایا جائے تو زمین نظر نہ آسکے تو ایسا پانی پاک رہتا ہے چاہے اس میں نجاست ہی گری ہو۔ ہدایہ کے الفاظ یہ ہیں :-

قدروا بالمساحة عشرا فی عشر والمعتبر فی العمق ان یکون بحال لا ینحسر بالاغتراف ھو الصحیح (ھدایہ کتاب الطھارت)

یعنی اُس دہ در دہ حوض کا عمق اتنا ہو کہ دونوں ہاتھوں سے پانی اٹھایا جائے تو زمین ننگی نہ ہو۔

سوال قابل غور یہ ہے کہ جتنا پانی اتنے لمبے چوڑے اتنے عمق والے حوض میں آسکتا ہے وہ ایک متوسط درجے کے کنوئیں سے کسی طرح زیادہ کجا برابر بھی نہ ہوگا پھر کیا وجہ ہے کہ نجاست کے تحمل کے واسطے مساحت کا اعتبار کیا گیا مقدار پانی کا اعتبار نہ کیا گیا حالانکہ نجاست کے تحمل عدم تحمل کا اندازہ پانی پر چاہیئے نہ کہ مساحت پر اس میں کہاں تک معقولیت ہے۔ بینوا توجروا

ناپاک پانی کی پاکی ایک طرف تو اتنی فیاضی ہے کہ دس دس ہاتھ کا حوض ہو جس میں اتنا پانی ہو کہ دو ہاتھوں سے چلو بھرنے سے اس کا تلہ ننگا نہ ہو سکے تو وہ پاک ہے چاہے اس میں کچھ بھی گرے جب تک اس میں بدبو نہ ہو اُدھر یہ حکم ہے کہ کنوئیں میں چوہا یا چڑی گر کر مر جائے تو کنوئیں سے بیس[۲۰] تیس[۳۰] ڈول پانی کے بھر کر نکالے جائیں چنانچہ ھدایہ میں اس کی بابت یہ حکم ہے۔

وان ماتت فیھا فارة او عصفورة وغیرھا نزح منھا عشرون

دلواوثلاثون بحسب کبیرالدلو وصغرها (کتاب الطهارۃ)
اگر کنوئیں میں چوہا یا چڑیا مر جائے تو اس میں سے پانی بھر کر بیس ڈول بڑے یا تیس ڈول چھوٹے نکالے جائیں۔
کیا ایسا کرنے سے باقی پانی پاک ہو جائے گا جس میں مُردہ چوہے اور چڑیا کی ناپاکی مل چکی ہے حالانکہ کنواں چھوٹے سے چھوٹا بھی ہو تو بھی سَو ہاتھ مربع حوض کی نسبت اس میں پانی زیادہ ہوتا ہے۔ اَللّٰہُ اَعۡلَمُ۔

مسئلہ ششم (۶)

اقتدائے مقیم بالمسافر

فقہ حنفیہ کا مسئلہ ہے کہ مقیم اگر مسافر کی اقتدا کرے اور مسافر امام جب سلام دے کر فارغ ہو تو مقیم کھڑا ہو کر باقی نماز میں کچھ نہ پڑھے بلکہ بالکل خاموش رہ کر وقت کا اندازہ کر کے رکوع کو جھک جائے چنانچہ ہدایہ کے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں۔

وان صلی المسافر بالمقیمین رکعتین سلم واتم المقیمون صلوتھم کالمسبوق الا انہ لا یقرء فی الاصح (ھدایہ کتاب صلوۃ المسافر)

یعنی مسافر کے پیچھے مقیم اقتدا کرے تو مسافر دو رکعتوں پر سلام دے اور مقیم اپنی نماز پوری کرے جس طرح مسبوق پوری کرتا ہے۔ جس کے شریک جماعت ہونے سے پہلے امام ایک دو رکعتیں پڑھ چکا ہو۔ مگر فرق یہ ہے کہ مسبوق (تو قرأت وغیرہ پڑھے) مقیم نہ پڑھے۔ بلکہ بالکل چپ چاپ کھڑا رہ کر رکوع کرے۔

مثلاً زید مقیم ہے اور عمرو مقیم کے پیچھے اس وقت مقتدی ہوا جب وہ ایک دو رکعتیں پڑھا چکا تھا امام کے سلام دینے کے بعد باقی نماز پوری کرے اس

میں قرأت پڑھے رکوع سجود میں تسبیحیں پڑھے پھر ختم کر کے سلام دے۔ لیکن اگر زید مسافر کو نماز میں امام بنایا گیا چونکہ وہ قصر کرے گا اس لئے دو رکعتوں پر سلام دیگا اس کے مقتدی مقیم ہیں فقہ حنفیہ میں ان مقتدیوں کو حکم ہے کہ بقیہ نماز پوری کریں مگر کھڑے ہو کر سورہ فاتحہ وغیرہ کچھ نہ پڑھیں کیونکہ وہ مقتدی کے حکم میں ہیں چاہے اتنے عرصے میں امام مسافر ریلوے اسٹیشن پر پہنچ چکا ہو۔ تاہم یہ مقتدی ہیں اور وہ امام بہت معقول ! اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا۔

مسئلہ ہفتم (۷)

تفریق بین الزوجین

بحکم قرآن مجید عورت کا نان و نفقہ مرد پر واجب ہے اگر مرد دانستہ نہ دے تو عورت بحکم حاکم لے سکتی ہے لیکن ناداری کی حالت میں کیا کرے ؛ شافعیہ کا تو فیصلہ ہے کہ درصورت عدم ادائے نفقہ عورت چاہے تو بحکم حاکم نکاح فسخ کرالے۔ حدیث شریف میں بھی اجازت ہے، لیکن حنفیہ کرام نے اس صورت میں عورت کو حکم دیا کہ وہ خاوند کے نام پر دکاندار یا کسی اور شخص سے قرض لیتی جائے چنانچہ درسی کتاب (شرح وقایہ) کے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں :۔

"لا یفرق بینہما بعجزہ عنہا وتومر بالاستدانۃ علیہ ای تومر بان تستقرض علیہ وتصرف الی نفقتہا حتّٰی ان غنی الزوج یؤدّی فرضہا (شرح وقایہ باب النفقۃ)

یعنی خاوند کی ناداری کی صورت میں خاوند بیوی میں (باوجود تقاضا عورت کے) تفریق نہ کی جائے بلکہ قاضی کی عدالت سے عورت کو حکم دیا جائے کہ خاوند کے نام پر قرض لے کر کھاتی رہے خاوند کو جب وسعت ہو تو قرض ادا کر دے۔"

اس حکم کی معقولیت ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ عورت کو نادار خاوند کے نام پر کون قرض دیگا ؟ قرض بھی ایسا جس کی ادائیگی کی مدت ہی مقرر نہیں۔ یہ ایک ایسی بات

ہے جس کی معقولیت خود فقہائے کرام کو بھی محسوس ہوئی تو انہوں نے اس حکم کو بدل ڈالا مگر ایسے طریق سے کہ اپنے مسلک میں فرق نہ آئے۔ فرمایا کہ حنفی قاضی اپنے اس معقول قانون کو تو نہ بدلے ہاں اس مسکینہ پر رحم کرتے ہوئے اپنے محکمہ کے متعلقین میں سے کسی شافعی المذہب شخص کو اپنا نائب مقرر کرے جو ان دونوں میں جدائی کرادے شرح وقایہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

"اصحابنا لما شاهدوا الضرورة فی التفریق لان دفع الحاجة الدائمة لایتیسر بالاستدانة والظاهر انها لاتجد من یقرضها وغنی الزوج فی المال امر متوهم استحسنوا ان ینصب القاضی نائبا شافعی المذهب یفرق بینهما (حوالہ مذکور)

یعنی ہمارے (متاخرین) مشائخ حنفیہ نے (مرقومہ صورت میں) تفریق کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے کیونکہ عورت کی دائمی حاجت قرض سے پوری نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی معلوم ہے کہ عورت کو ایسا شخص نہیں مل سکتا جو اسے قرض دیتا رہے اور خاوند کا مالدار ہونا بھی ایک موہوم امر ہے اس لئے انہوں نے بہتر جانا ہے کہ حنفی قاضی کسی شافعی مذہب کے آدمی کو اپنا نائب مقرر کرکے ان (میاں بیوی) میں تفریق کرادے۔

مؤلف سوال یہ ہے کہ خود حنفی قاضی کیوں نہ تفریق کردے۔ جواب یہی ہے۔ کہ اپنے معقول فتوے کو حنفی المذہب قاضی سے نقصان نہ پہنچے۔ بات معقول ہے۔ اسی کے حق میں کہا گیا ہے ؎

سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی بچے

التماس ہم نے معقولات حنفیہ کے چند نمونے دکھائے ہیں۔ ضرورت ہوئی تو اور بھی پیش کریں گے۔ انشاءاللہ!

ناظرین کرام! ٹھنڈے دل سے ان مسائل پر غور کریں اور اقوال الرجال سے گزر کر قرآن وحدیث کی شاہراہ پر گامزن ہوں۔ واللہ الموفق۔

خادم ابوالوفاء ثناء اللہ کفاہ اللہ امرتسری